© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"سنت نبویہ" سے احکامِ قرآنی کا نسخ؟

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

یوں تو یہ بحث کہ آیا سنت قرآن مجید کی ناسخ ہو سکتی ہے یا نہیں بہت قدیم ہے اور اس عنوان پر بحث و تمحیص کا آغاز قرن اوّل سے ہی ہو گیا تھا اور معتزلہ کے ظہور اور "فروغ" کے بعد تو جہاں اور نازک موضوعات زیر بحث آئے، وہاں یہ مسئلہ بھی خصوصی طور پر محل بحث و تحقیق رہا، البتہ عہد حاضر میں اس عنوان پر لکھنے اور بحث آرائی کا سلسلہ "مستشرقین" کی اس عنوان سے خصوصی دلچسپی کا نتیجہ ہے۔

اسلام کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی علوم وفنون کی جمع و تدوین اور ان کی حفاظت وصیانت کا کام کسی خاص گروہ یا طبقے اور نسل کے ساتھ مخصوص نہیں رہا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی بہت سی اہمیت کی حامل کتابیں عیسائی اور یہودی مستشرقین نے نہ صرف شبانہ روز محنت سے، دریافت کیں بلکہ بصرف زر کثیر شائع بھی کی ہیں۔ اس سلسلے میں تاریخ طبری، طبقات ابن سعد المغازی للواقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن اسحاق، اور سینکڑوں دوسری اہم کتب کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جو آج محض مستشرقین کی تلاش و جستجو کی بنا پر ہمارے سامنے مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

البتہ جب ہم مستشرقین کے اس عمل کا غیر جانبداری سے تجزیہ کرتے ہیں، تو ہمارے ذہن میں فوراً اس شخص کا خیال آجاتا ہے جس نے ایک ریچھ سے دوستی کرلی تھی اور جب یہ شخص سو جاتا تھا تو یہ ریچھ اس کی بیٹھ کر حفاظت کرتا اور اس سے مکھیوں کو بھگاتا تھا اور پھر بالآخر ایک روز وہ اپنے اسی نادان دوست کے ہاتھوں اس وقت جان بحق ہو گیا، جب یہ ناداں دوست (ریچھ) اس سے مکھیاں ہٹا رہا تھا اور ایک سرکش اور ضدی مکھی کو دیکھ کر اسے طیش آگیا اور اس نے زور سے پتھر اس مکھی کو کھینچ مارا، جو اس کے سوئے

© rasailojaraid.com

ہوئے دوست کے بھیجے کو پاش پاش کرنے کا ذریعہ بن گیا، بایں ہمہ اس ریچھ اور ہمارے ان مہربانوں میں ایک بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ ریچھ سے جو کچھ ہوا سادگی اور حماقت کی بنا پر ہوا، جبکہ ہمارے یہ "مہربان" (مستشرقین) "مسلم امت" کو جان بوجھ کر پتھر مارتے ہیں گو ظاہر یہی کرتے ہیں، کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی میں ایسا کر رہے ہیں، شاید ایسے ہی دوستوں کے متعلق غالب نے کہا ہے:

ع: ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

ہمارے ان مہربانوں نے انیسویں صدی عیسوی میں حدیث اور تفسیر پر تحقیق و تصنیف کا کام کرتے ہوئے خاص طور پر دو نکات پر بہت زور دیا:

۱- اولاً یہ کہ حدیث کی تدوین و تالیف کا کام بہت تاخیر سے شروع ہوا اس سے انہوں نے بزعم خویش یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ احادیث نبوی ﷺ تاریخی اور استنادی پہلو سے حجت اور سند نہیں ہیں۔

۲- ثانیاً انہوں نے مسلم امہ کو یہ جتلانے کی کوشش کی کہ قرآن مجید کا درجہ اور مقام بہت بلند ہے اور احادیث مستند اور مسلم ہونے کے باوجود اس کے کسی حکم میں تبدیلی کی مجاز نہیں ہیں۔

چونکہ استشراق کے جو بڑے بڑے مقاصد تھے، ان میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلم امہ کو قرآنی آیات کی توضیح و تشریح کے لیے احادیث نبویہ اور اقوال و آثار سلف سے ہٹا کر، ذاتی سوچ یا ذاتی اجتہاد کے راستے پر ڈال دیا جائے اسی لیے ان کی یہ تحقیقات دنیائے اسلام میں ایک نئی سوچ کی ترویج کا باعث ہوئیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں دو اسلامی ملک فکری اور ذہنی طور پر بیداری کی حالت میں تھے: اولاً مصر اور ثانیاً ہندوستان۔ اسی لیے مستشرقین کے خیالات کی صدائے بازگشت انہی دو ممالک کے ادب سے بخوبی سنی جا سکتی ہے۔

متحدہ ہندوستان کی تاریخ پر، جب ہم نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہاں استشراق کے مقابلے میں استغراب (مغربیت) کی تحریک کا سنگ بنیاد اسی صدی میں رکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا- اور ایک ایسے شخص کے ہاتھوں رکھا گیا، جو بظاہر ہندوستانی مسلمانوں کا محسن اور ان کا گرامی قدر رہنما تھا- یعنی سر سید احمد خان، بانی علی گڑھ یونیورسٹی، مگر بباطن ان کی ان کوششوں اور کاوشوں نے "**مسلم امة**" کو افتراق اور انتشار کی ایسی راہ پر ڈال دیا جس کا تناہر آئے دن مضبوط و توانا ہوتا ہوا نظر آرہا ہے-

اسی لیے سر سید کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کی شخصیت کے دو حصے ہیں: جہاں تک ہندوستانی مسلمانوں میں جدید تعلیم و تربیت کے فروغ کا تعلق ہے، تو ان کی یہ خدمت بلاشبہ ایک منفرد مقام و درجے کی حامل ہے اور یہ واقعی ان کا ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہے-

البتہ جہاں تک ان کی مذہبی خدمات کا تعلق ہے، جس سے دھریت، نیچریت اور فتنۂ انکار حدیث کو فروغ ملا، تو ان کی یہ کاوش پوری ملت اسلامیہ کی تاریخ کا افسوسناک پہلو ہے، البتہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان کی ان دونوں خدمات میں سے کونسی خدمت بڑی ہے-

سر سید کی ان تحریروں کے نتیجے میں "انکار حدیث" کی تحریک پروان چڑھی، جس نے آگے چل کر، مختلف برگ و بار پیدا کیے اور ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا-

انکار حدیث کی اس تحریک نے مسلمانوں کو، حدیث کے متعلق طرح طرح کے شکوک و شبہات میں ڈال دیا- نتیجہ یہ نکلا کہ اس تحریک کے حاملین کی طرف سے آج نماز، روزے، حج، زکوٰۃ، قربانی اور دیگر مسلّمہ عبادتوں کا مضحکہ اڑایا جارہا ہے- اللہ تعالیٰ اس فتنے کا استیصال فرمائے اور امت کو اس کے شر سے محفوظ رکھے-

(۲)

جہاں تک زیر بحث موضوع کا تعلق ہے تو یہ موضوع بھی اسی فہرست میں شامل ہے، جسے مغرب نوازی کی اس تحریک نے دیدہ و دانستہ اچھالنے اور پھر الجھانے کی کوشش کی- بظاہر یہ نعرہ کتنا خوبصورت، اور حسین ہے کہ

"قرآن ہر شے پر حاکم ہے اور قرآن پر کوئی حاکم نہیں"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر یہ ایسا ہی کلمہ ہے، جیسا کہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے مقابلے میں خوارج نے کہا تھا کہ:

لاحکم الّا للّٰہ اللہ کے سوا کسی کا حکم قابل قبول نہیں

اور جس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا

کلمۃ حقّ ارید بہا الباطل یہ برحق کلمہ ہے مگر اس سے مخالفین نے جو مطلب لیا ہے وہ باطل ہے،

اسی طرح ہم بھی زیر نظر موضوع کے متعلق اساسی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

کلمۃ حقّ ارید بہا الباطل

اس میں کسی مسلمان کو شک یا شبہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن ہر شے پر حاکم ہے، اور اس پر کوئی اور شے حاکم نہیں ہے، مگر اس سے مخالفین نے جو مطلب مراد لیا ہے وہ اساسی طور پر غلط اور باطل ہے۔ اس لیے کہ اس سے مخالفین کی مراد یہ ہے کہ سنت قرآن پر حاکم نہیں ہوسکتی اور یہ جملہ درحقیقت اس اصولی ضابطے کی نفی کرتا ہے، جس کا حدیث اور اصول فقہ کی کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر ملتا ہے:

السنۃ قاضیۃ علی القرآن ۱ سنت قرآن کے متعلق فیصلہ کرنے والی ہے،

جس سے مراد قرآنی آیات کی توضیح و تشریح کا وہ حق ہے جو خود قرآن کریم نے سنت کو عطا کیا ہے۔

اپنے موضوع پر آگے بڑھنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ سنت اور اس کی تشریعی حیثیت پر ایک نظر ڈال لی جائے.... تفصیل حسب ذیل ہے:

(ا) سنت کا لغوی و اصلاحی مفہوم:

سنت کا لفظ س ن ن (سنّ سنّۃً) سے بنا ہے، جس کے لغوی معنی راستے اور منہج کے ہیں۔ خاص طور پر ایسا راستہ، جس پر کوئی شخص پہلے نہ چلا ہو۔ پھر اس کے معنی اچھے اور برے راستے کے بھی ہیں، چنانچہ امام لغت ابن منظور الافریقی نے لسان العرب میں لکھا ہے:

سنت سے مراد ہر وہ فعل ہے، جس کی کسی نے ابتدا کی اور بعد کے لوگوں نے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی پیروی کی(۲)

جیسا کہ حسب ذیل حدیث میں لفظ سنت اسی مفہوم میں مستعمل ہوا ہے:

من سن فی الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعده کتب له مثل اجر من عمل بها ولا ینقص من اجورہم شیئی و من سن فی الاسلام سنة سیئة فعمل بعده کتب علیه مثل وزر من عمل بها ولا ینقص من اوزارہم شیئی ۳

جس نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا اور اس کے بعد اس پر عمل ہوا تو اس کے لیے ان تمام لوگوں جیسا اجر ہے، جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا، اور اس کے بعد اس پر عمل ہوا تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر گناہ ملے گا۔ جنہوں نے اس پر عمل کیا، اور ان کے گناہوں میں کمی نہ ہوگی

قرآن حکیم میں بھی یہ لفظ انہی دونوں معانی میں استعمال کیا گیا ہے، مثلاً اچھے مفہوم میں ارشاد مبارک ہے:

یرید اللہ لیبیّن لکم ویهدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم ۴

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے بتائے

جبکہ سنت سیئہ کے متعلق ارشاد باری ہے:

قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین۔ ۵

تم سے پہلے لوگوں کے طریقے گذر چکے ہیں، پس تم چلو پھرو زمین میں۔ بس دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا

اصلاحی طور پر اس سے مراد ہے:

۶ و اذا اطلقت فی الشرع فانما یراد بها ماامربه النبیؐ ونهی

جب لفظ سنت علی الاطلاق بولا جائے، تو اس سے وہ فعل مراد ہے، جس کا نبی ﷺ

© rasailojaraid.com

عنه و ندب اليه قولاً وفعلاً مما لم ينطق به الكتاب العزيز٦

نے حکم دیا ہو اور اس سے روکا ہو اور اس کی طرف لوگوں کو اپنے قول اور فعل سے دعوت دی ہو اور وہ ایسی بات ہو، جس کا قرآن حکیم میں ذکر نہ آیا ہو۔

سنت کا یہ مفہوم عہد نبوی ہی میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ اسے اس مفہوم میں باسانی بولا اور سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے، چند ایک مقامات کے سوا ذخیرہ احادیث میں ہر جگہ لفظ (سنہ) اسی مفہوم میں مستعمل ہوا ہے، مثال کے طور پر مسلم شریف میں ہے کہ:

"کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کچھ ایسے افراد، بھجوا دیجیئے، جو ہمیں قرآن و سنہ کی تعلیم دیں۔۷"

اسی لیے مشہور ماہر لغت و اصول فقہ امام الشاطبی نے سنت کے تین معانی بیان کیے ہیں: اولاً سنت بمقابلہ بدعت، ثانیاً سنت بمعنی اقوال و افعال نبوی ﷺ، ثالثاً سنت بمعنی وہ افعال جن پر صحابہ کا تعامل رہا ہو۔۸

الغرض سنت کا مفہوم اور اس کی حجیت (Authenticity) ہر دور کے مسلمانوں کے ہاں مسلّم رہی ہے، جمہور امت کا یہ عقیدہ محض خوش فہمی یا خوش اعتقادی پر مبنی نہیں ہے، کہ جسے نظر انداز کیا جا سکتا ہو، بلکہ مسلمانوں کا یہ اعتقاد قرآن و سنہ کے ایسے نصوص اور قطعی دلائل پر مبنی ہے، جن کا جھٹلانا ناممکن ہے۔ اور پھر یہ سب کچھ ایسے واضح اور صریح الفاظ میں بیان ہوا ہے، کہ جس کے بارے میں کوئی ابہام یا اغلاق پیدا ہو ہی نہیں سکتا، مثال کے طور پر کہا ماننے اور تعمیل حکم کرنے کے لیے عربی زبان و ادب میں سب سے زیادہ واضح اور قطعی الدلالۃ دو الفاظ ہیں یعنی اتباع (پیروی کرنا) اور اطاعت (فرمانبرداری کرنا) اور قرآن مجید میں ان سے اول الذکر کے ذریعے کم سے کم دس مرتبہ اور موخر الذکر کے ساتھ تیس مرتبہ غیر مشروط طور پر رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۹ اس کا بار بار تکرار و اعادہ اس کی اہمیت اور قطعیت کا واضح ثبوت ہے۔ پھر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ کسی ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ "جس نے خدا کی پیروی کر لی، اس نے رسول کی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیروی کرلی" یا "جس کو رسول سے محبت ہو وہ خدا کی اتباع کرے" اس کے بجائے قرآن مجید میں یہ حکم دیا گیا کہ:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۱۱ — جو شخص رسول کی فرما نبرداری کرے گا، تو بیشک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔

اور

قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم.۱۲ — (اے پیغمبر ﷺ) کہہ دو کہ اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

گو کہ اول الذکر جملوں کی صداقت میں بھی شبہہ نہیں ہوسکتا، مگر چونکہ اس سے کوئی شخص پیغمبر کی "عدم اتباع" کا حکم مستنبط کر سکتا تھا، اس لیے اس سے احتراز کیا گیا۔ اسی طرح نافرمانی اور حکم عدولی کے لیے عربی زبان میں سب سے زیادہ واضح لفظ معصیت ہے، چنانچہ قرآن مجید میں کم از کم دس مرتبہ اسی صاف اور صریح لفظ کے ساتھ، آنحضور ﷺ کی نافرمانی کو موجب ضلالت و ھلاکت قرار دیا گیا ہے، مثال کے طور پر سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضلّ ضلاًمّبینا ۱۳ — اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہ ہو گیا۔

یہ تو صریح الفاظ کے ذریعے اطاعت کا حکم اور معصیت کی مذمت کا ذکر تھا، جبکہ قرآن مجید میں صریح الفاظ کے علاوہ بھی مختلف الفاظ و تراکیب کے ذریعے، مثلاً دعوت نبوی پر لبیک کہنے، احکام الٰہی کی عوام الناس تک تبلیغ، نبی اکرم ﷺ کی طرف وحی ربانی کے نزول اور آپ کی ہر بات کے وحی ربانی کے مطابق ہونے، آپ کی ہر بات پیغمبرانہ ذمہ داریوں، آپ کے فیصلوں کو دل و جان سے تسلیم کرنے اور اپنے ہر معاملے میں آپ کو اپنا حکم بنانے اور آپ کی ہر بات کو قبول کرنے وغیرہ سے ۱۴ آنحضرت ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم ثابت ہوتا ہے، جس کو تسلیم کرنا اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ قرآن مجید کو خداوند تعالیٰ کی

© rasailojaraid.com

کتاب تسلیم کرنا ضروری ہے۔اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی میں قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ اہمیت "سنت نبویہ" کو حاصل ہے۔" بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ سنت کے بغیر تو قرآن مجید کی تفہیم بھی ممکن نہیں، کیونکہ قرآن مجید نہ تو کوئی محض ادبی کتاب ہے اور نہ ہی شعر وشاعری کا کوئی مجموعہ کہ جس کے لیے محض لغت (Dictionary) کو دیکھ لینا کافی ہو۔ بلکہ یہ تو "کتاب ھدایت" ہے، اس کے ذریعے دنیا میں ایک صالح انقلاب برپا کیا گیا اور دنیا کو اصلاح و تجدید کی دعوت دی گئی اور ہزار ہا اصطلاحات اختیار کر کے دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب کی بنیاد رکھی گئی۔ لہذا اس کی تفہیم کے لیے لازمی ہے کہ نہ صرف احادیث نبویہ، بلکہ اقوال و آثار صحابہ اور اس ماحول کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جس میں یہ عظیم الشان کتاب نازل ہوئی۔اور دین اسلام کے لیے مختلف ترکیبیں اور اصطلاحیں، استعمال کی گئی ہیں۔اسی لیے امام شافعی "الرسالہ" میں "سنت" کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مجھے اہل علم میں سے اس رائے کا کوئی مخالف نہیں ملا، کہ سنت نبوی تین اقسام پر مشتمل ہے: اول الذکر وہ کہ جس کا حکم قرآن میں مذکور ہو اور آپ اپنی سنت میں بھی وہی حکم بیان فرمادیں، دوسری قسم یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی حکم اجمالاً مذکورہ ہو اور نبی اکرم ﷺ اس کی تشریح فرمادیں، جبکہ تیسری اور آخری قسم یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا حکم بیان فرمائیں، جو قرآن مجید میں مذکو نہ ہو۱۴، قرآن مجید میں حکمت سے یہی مراد ہے"۱۵

خود قرآن مجید میں بھی "کتاب الٰہی" کی "تبیین و تشریح" کی ذمہ داری آپ ہی کو سونپی گئی ہے، مثال کے طور پر ایک مقام پر ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون١٦

اور ہم نے تم پر (بھی) کتاب نازل کی ہے، تاکہ جو (اشارات) لوگوں پر نازل کیے ہیں، وہ تم ان پر ظاہر کردو اور تاکہ وہ غور کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر اس آیت مبارکہ کو سورۃ القیامہ کی آیت "**ثم ان علینا بیانہ**" ۱۷ (پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی تشریح کرنا) سے ملا کر پڑھا جائے، تو اس مضمون کی پختگی اور قطعیت مزید آشکارا ہو جاتی ہے، اس لیے صحابہ کرامؓ تابعین، ائمہ فقہ اور اکابر امت نے قرآن فہمی کے لیے ہمیشہ سنت ہی کو مقدم رکھا ہے۔ مشہور صحابی حضرت حسان بن عطیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

کان الوحی ینزل علی رسول اللہ ویحضرہ جبرئیل بالسنۃ تفسر ذالک۔۱۸

نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو جبرئیل علیہ السلام آنحضور ﷺ کے پاس سنت (کا علم) لیکر آتے جس کے ذریعے آپ وحی ربانی کی تفسیر بیان فرماتے۔

اسی طرح حضرت عمران بن حصین نے ایک سائل کو جواب دیا تھا:

"کیا تم نادان ہو، کیا تمہیں کتاب اللہ میں یہ حکم ملتا ہے کہ ظہر کی رکعات چار ہیں، جن میں قراءت بالجہر نہ ہوگی، ۱۹

مشہور تابعی حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیر سے ایک صاحب نے کہا، کہ آپ ہم سے فقط قرآن کی بات کیا کریں، اس پر انہوں نے فرمایا:

"بخدا ہم بھی قرآن کے سوا کوئی اور چیز پیش نظر نہیں رکھتے۔ البتہ ہم قرآن مجید کی اس تفسیر کو جانتے ہیں، جو اس شخص نے بیان کی، جو ہم سے زیادہ قرآن کا عالم تھا۔" ۲۰

امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں اپنا یہ دلچسپ واقعہ لکھا ہے، کہ:

"ایک دفعہ ایک منکر سنہ مجھے ملا، اور غلطی سے میں (امام صاحب) بھی اس کا ہم خیال ہو گیا، مگر جلد ہی اس کی غلطی مجھ پر واضح ہو گئی، کیونکہ اس طرح تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی نے تھوڑی سی نماز پڑھ لیا اور تھوڑی سی زکوٰہ دے دی، تو وہ فرض سے عہدہ براء ہو گیا۔" ۲۱

سنت نبوی کی اسی اھمیت کے پیش نظر فقہائے اربعہ اور ان کے ہزار ہا شاگردوں نے قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ اھمیت "سنت نبوی" ہی کو دی ہے اکثر ائمہ سے

© rasailojaraid.com

ایسے اقوال مروی ہیں کہ اگر ہمارے کسی قول (مسلک) کے مقابلے میں کوئی صحیح حدیث مل جائے تو ہمارے مسلک کو چھوڑ کر سنت نبوی ہی پر عمل کیا جائے، مثال کے طور پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

اذا جاء عن النبیؐ فعلی الراس و العین واذا جاء عن اصحاب النبیؐ نختارمن قولھم واذاجاء من التابعین زاحمناھم. ۲۲

جب نبی اکرم ﷺ کی ہمارے سامنے کوئی حدیث آتی ہے۔ تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر، جب صحابہ کرام علیہم السلام کا کوئی قول آتا ہے، تو ہم ان میں سے کسی کا قول منتخب کر لیتے ہیں اور جب کسی تابعی کا قول آتا ہے تو ہم اس کے مقابلے میں قیاس سے کام لیتے ہیں (کیونکہ امام صاحب خود بھی تابعی تھے)

اسی پس منظر میں فقہاکے قول"

السنۃ قاضیۃ علی القرآن ۲۳ سنت قرآن مجید پر حاکم ہے

کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کا یہ مفہوم ہر گز نہیں کہ "سنت" قرآن سے برتر (Superior) ہے، بلکہ اس کا مفہوم ہے کہ قرآن کی تشریح و تفسیر کے معاملے میں "سنت" کا مقام سب سے مقدم ہے، قرآنی حکم کی تشریح کے لیے سنت نبویہ فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، اس بارے میں سنت کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا اور اس کے مقابلے میں کسی اعلیٰ و ادنیٰ کا قول معتبر نہ ہوگا۔ اس مقولے کو اس بات پر محمول کرنا کہ سنت کا مقام، قرآن سے برتر ہے، بجائے خود اپنی نادانی و کم علمی کا اعتراف ہے۔

۲- سنت سے قرآنی آیات کا نسخ:

اپنے موضوع پر مزید کچھ کہنے سے قبل مناسب ہوگا کہ ہم مسئلے کی نوعیت پر ایک نظر ڈالیں اور یہ دیکھیں، کہ اصل بات کیا ہے، اور یہ کہ مخالفین نے اسے کس رنگ اور کس شکل میں پیش کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسئلے پر علامہ محب اللہ بہاری نے جو بحث کی ہے وہ حسب ذیل ہے آپ لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کا سنت نبویہ سے منسوخ ہونا جائز ہے۔ امام شافعی کو اس کی قطعیت سے اختلاف ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ ایسا ہونا لذاتہ ممکن ہے۔ اور لغیرہ ممتنع نہیں ہے۔ اس لیے اصل اس کا نہ ہونا (عدم) ہے۔ اس بارے میں استدلال کیا گیا ہے کہ حدیث:

لاوصیۃ لوارث ۲۴۔ (کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت جائز نہیں)۔ نے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرنے کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے ۲۵ جبکہ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ کہ آیت کو مذکورہ حدیث نے نہیں، بلکہ آیت میراث نے منسوخ کیا ہے۔ مگر یہ قول مرجوح ہے، اس لیے کہ ناسخ کے لیے منسوخ حکم کا معارض ہونا ضروری ہے اور مذکورہ حدیث میراث اس کے معارض نہیں ہے۔ اس روایت پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مذکورہ حدیث خبر واحد ہے، لہذا اس سے بالاتفاق آیت کا نسخ جائز نہ ہوگا۔ الّا یہ کہ اس کے "مشہور" ہونے کا دعوای کیا جائے اور یہ روایت شہرت کے قریب تر ہے اس لیے کہ امت نے اس کو اس مفہوم کے لیے قبول کیا ہے، لہذا اس صورت میں اس کے ساتھ حنفی مسلک کے مطابق آیت کا نسخ جائز ہوگا۔ لیکن ابو زید کا قول ہے کہ قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے۔ جو منسوخ ہو، مگر "اضافے" کی صورت میں"۔ ۲۶

یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا، کہ سورۃ البقرہ کی زیر بحث آیت کے نسخ کے متعلق مفسرین نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں جن کا ملخص یہ ہے کہ چونکہ اس آیت کی تاویل کرنا اور وصیت کو ۱/۳ تک، ایسے رشتے داروں کے لیے جائز ہونے پر محمول کرنا، جنہیں وراثت میں حصہ نہیں پہنچتا، ممکن ہے۔ لہذا اس کو منسوخ سمجھنا درست اور مناسب نہ ہوگا۔ پھر اس وصیت کو صرف مالی وصیت پر منحصر کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وصیت "مال" میں بھی ہوتی ہے اور غیر مال میں بھی۔ اور بالاتفاق ایسی وصیت، جو غیر مال میں ہو، اس وقت بھی جائز اور درست ہے، اس پس منظر میں، پوری آیت کو منسوخ سمجھنے کا زمانہ تو ختم ہوگیا ہے۔ البتہ جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے کہ اس میں تقیید و"اطلاق" والے نسخ کی گنجائش ہے جو "نسخ ہی کی ایک صورت ہے اور ایسا احادیث کی رو سے درست اور جائز ہے۔

معترضین نے سنت نبویہ سے جواز نسخ کے خلاف ایک اور دلیل بھی پیش کی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

مانسخ من آیة اوننسهاأنات بخیرمنهااومثلها ۲۷ — ہم جس آیت کو منسوخ کردیتے یا اسے فراموش کرادیتے ہیں، تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں،

جب کہ احادیث نبویہ نہ تو آیت کی مثل ہیں اور نہ ہی ان سے بہتر ہیں، لہذا اس سے جواز نسخ کا قول درست نہیں ہے اس اشکال کے جواب میں بھی اسی مضمون کا اعادہ کرنا مناسب ہوگا۔ جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ قرآنی آیات کے نسخ کے متعلق جدید نظریہ یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے ماسوا ان آیات کے، جن کے حکم کو بعد میں خود قرآن حکیم میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور ایسی آیات کی تعداد کل تین ہے، لہذا یہ اشکال یہاں پیش کرنا ممکن نہیں ہے رہا نسخ بمعنی تقیید اطلاق تو اس سے حکم میں تبدیلی نہیں ہوتی، بلکہ حکم کی توضیح یا تشریح ہوتی ہے، لہذا اس کے جواز کا انکار کرنا چڑھتے سورج کا انکار ہے۔

اس پس منظر میں یہ کہنا بالکل بجا ہے، کہ جب یہ کہا جاتا ہے، کہ "السنة قاضية على القرآن۔ (سنت قرآن مجید پر حاکم ہے) تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ سنت کو قرآنی آیات کے "نسخ" کے لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔ اس لیے کہ یہ بات امر واقعہ کے خلاف ہے، اس کے برعکس اس کا مفہوم یہ ہوگا، کہ احادیث نبویہ یا سنت کے ذریعے قرآن مجید کی کسی آیت کے حکم کو "عام" یا "خاص" سمجھنا جائز ہے، اور سنت کی بنیاد پر کسی عام حکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو خاص یا خاص کو عام کرنا درست ہے بشرطیکہ، مذکورہ روایت استناد کے اس معیار پر پورا اترتی ہو، جو "اہل اصول" نے مقرر کیا ہے۔

اس طرح اب واحد مسئلہ جو اہل حق اور منکرین حدیث کے مابین متنازعہ ہے، فقط یہ رہ جاتا ہے کہ آیا کسی روایت صحیحہ کی بنیاد پر "سنت" یا حدیث کو قرآن مجید کی کسی آیت میں تعمیم و تخصیص کا مذکورہ بالا حق حاصل ہے، یا نہیں۔

جہاں تک جمہور صحابہ، جمہور تابعین و تبع تابعین وائمہ فقہ (حنفی، شافعی، مالکی حنبلی، اہل ظواھر پر اور اہل تشیع) کا تعلق ہے، تو ان سب کے نزدیک قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی واضح نصوص کی روشنی میں قرآن مجید کے کسی عام حکم کو خاص یا خاص کو عام کیا جاسکتا ہے جبکہ عصر حاضر کے منکرین حدیث اس کے مخالف ہیں۔

اصولی طور پر تو یہ بحث اسی وقت ختم ہو جاتی ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو اسلامی تاریخ کی قدآور شخصیات اور تمام اہل بصیرت ہیں اور دوسری طرف عقل وشعور سے عاری چند آزاد خیال لوگ۔ اور جس مسئلے پر اتنی کثیر تعداد میں اہل بصیرت متفق ہو چکے ہوں، اس مسئلے میں مزید بحث و تمحیص کی گنجائش باقی نہیں رہتی، علاوہ ازیں... امت کا یہ اجماع اس "سبیل المومنین" کا مصداق بھی بنتا ہے، جس کی مخالفت سے خود قرآن مجید نے سختی سے منع کیا، اور عدم اتفاق کی صورت میں سزائے جہنم کی وعید سنائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولیٰ ونصله جهنم...وساءت مصیرا ... ۲۸

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنین کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے، ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

تاہم چونکہ مخالفین کمزور دلائل کے سہارے جمہور امت کے مسلک پر اعتراض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں، اس لیے جمہور امت کے دلائل کا ایک جائزہ پیش کیا جانا مناسب ہوگا:

(۱) قرآن مجید کی صدہا آیات میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت مطلقہ کا ذکر آیا ہے اور کسی ایک مقام میں بھی آپ کی اطاعت و اتباع کے لیے کسی قسم کی قید یا شرط کا کسی اشارے کنایے میں بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ اس طرح قرآن آنحضرت ﷺ کے "مطاع مطلق" ہونے پر زور دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے "مطاع مطلق" ہونے کا اس وقت تک تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، جب تک آپ سے ہر ثابت شدہ ارشاد پر آنکھیں بند کر کے عمل نہ کیا جائے۔

۲- قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۲۳ — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

گویا قرآن مجید کی نظروں میں اطاعت خدا اور اطاعت رسول میں نام کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ دونوں کا منبع و مصدر ایک ہی ہے، خود قرآن کریم میں تصریح ہے کہ:

ماضل صاحبکم وماغوٰی وماینطق عن الھوٰی ان ھوالّاوحی یوحٰی ۳۰ — تمہارے رفیق (محمد) نہ رستہ بھولے، نہ بھٹکے ہیں اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے

اس آیت کی تفسیر میں جملہ مفسرین نے صراحت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی عام بات بھی عام بات نہیں ہوتی ہے، آپ کی ہر بات میں وحی ربانی کا پر تو ہوتا ہے حتی کہ صاحب تدبر قرآن کو بھی جو بعض مسائل میں منکرین حدیث کے ہم نوا ہیں، یہ تسلیم کرنا پڑا:

> نبی چونکہ معصوم اور اس کا ہر قول و فعل لوگوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے، اس وجہ سے عام زندگی میں بھی اس کی کوئی بات حق و عدل سے ہٹی نہیں ہوتی اور اگر کبھی اس سے فرو گذاشت صادر ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالی اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلاح فرمادیتا ہے۳۱۔

اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہر متکلم کو اپنی بات کی "تعمیم و تخصیص" کا حق حاصل ہوتا ہے، آنحضرت ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے منصب رسالت پر فائز تھے، اور آپ پر وحی کا نزول "جلی و خفی" دونوں طرح سے ہوتا تھا، لہذا جب آپ نے قرآن مجید کے متعلق اس کے عام، یا خاص ہونے کا اظہار فرمایا تو مذکورہ آیت کی روشنی میں لازمی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ کو اس تخصیص و تعمیم سے "بادشاہ ارض و سما" اور "مالک کون ومکان" نے ہی مطلع کیا ہوگا، بصورت دیگر محولہ بالا قرآنی آیت کی (العیاذ باللہ) تکذیب لازم آتی ہے، کہ آپ نے خود اپنی مرضی سے حکم خدا کو بدل ڈالا، امام غزالی اس مضمون کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ اس صورت میں ناسخ (مراد تعمیم و تخصیص کرنے والا) خود اللہ تعالی ہے، جس نے اپنے رسول کی زبان سے یہ کہلوایا۔ خلاصہ یہ کہ یہ شرط نہیں ہے کہ قرآن مجید کا نسخ (تعمیم و تخصیص) کسی قرآن ہی کے حکم سے ہو، بلکہ یہ کام آنحضرت ﷺ پر ایسی وحی نازل کر کے بھی لیا جاسکتا ہے، جو قرآن میں مذکور نہیں، فرق صرف عبارت کا ہے۔ پس خدا کا کلام کبھی تو متلو شکل میں نازل ہوتا ہے، تو اسے قرآن کہا جاتا ہے اور کبھی خدا کا یہ حکم حرف و عبارت کے بغیر نازل ہوتا ہے تو اسے "سنہ" کہہ دیا جاتا ہے، اور یہ تمام کلام (قرآن وسنہ) آنحضرت ﷺ سے ہی سنا جاتا ہے، بہرحال ناسخ ہر صورت میں ایک ہی یعنی اللہ تعالی ہے۔۳۲

علامہ شاطبی الموافقات میں فرماتے ہیں:

> "اور تیرے لیے یہ بات کافی ہے کہ سنہ قرآن کے مطلق کو مقید اور عام کو خاص اور غیر ظاہر کو ظاہر کرتی ہے، جیسا کہ اصول کی کتابوں میں لکھا ہے، مثلاً قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سارق پر حد لگائی جائے، لیکن سنہ سے سرقہ کے نصاب کی تخصیص ہوئی، قرآن مجید سے ہر قسم کے (تھوڑے اور زیادہ) مال پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زکوٰۃ کا حکم مستنبط ہوتا ہے، مگر سنہ سے پتہ چلا کہ مخصوص قسم کے مال اور صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، قرآن کہتا ہے کہ "اس کے علاوہ تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں" مگر احادیث سے عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی اور خالہ کو جمع کرنے کی حرمت بھی معلوم ہوتی ہے"۔ ۳۳

(۳) قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو "قرآن مجید" کی تبیین" کا حق خود عطا کیا ہے، جیسا کہ خود منکرین حدیث بھی تسلیم کرتے ہیں، قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو "تبیین و بیاں" کا یہ حق بغیر کسی قید و شرط کے عطا کیا ہے، رہا یہ مسئلہ کہ یہ "تبیین و بیان" اس آیت کے ظاہری مفہوم کے عین مطابق ہو، یا اس سے مختلف، تو اس میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ "تبیین و بیان" اس کے ظاہری مفہوم کے عین مطابق ہی ہو اور اس سے رتی برابر بھی مختلف نہ ہو، تو اس میں آنحضرت ﷺ کی کیا خصوصیت ہے، اس قسم کی توضیح و تشریح تو صدہا مفسرین کرتے آئے ہیں، اور یہ ضروری نہیں کہ ان تمام مفسرین کی یہ جملہ توضیحات و تشریحات درست بھی ہوں، اندریں صورت معاذ اللہ قرآن مجید کی توضیح و تشریح کے سلسلے میں مہبط وحی اور ایک عام مفسر میں (خواہ وہ سر سید، عبداللہ چکڑالوی، غلام احمد پرویز ہی کیوں نہ ہو) کیا فرق رہ جاتا ہے؟ علاوہ ازیں اگر قرآن مجید کی پ شریح کے ضمن میں اگر ایک عام امتی اور پیغمبر اسلام دونوں کے حقوق برابر ہیں تو پھر قرآن کو مذکورہ بالا صراحت کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی، اسی بنا پر جملہ مفسرین، علما و فقہا نے نصوص قرآن کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ آپ قرآن مجید کی آیات میں تخصیص و تعمیم اور "تقیید و تطلیق" کا غیر مشروط حق رکھتے ہیں، علامہ شاطبی اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے، فرماتے ہیں:

> "پس سنہ تو بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے، اور قرآن مجید کی آیت "لتبیّن للناس" اس پر دلالت کرتی ہے۔ سنہ کے قرآن پر قاضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن کی مبیّن و شارح ہے، سنہ اپنے مفہوم میں قرآن مجید کی طرف راجع ہے، پس وہ اس کے مجمل کی تفصیل، اس کے مشکل کا بیان اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مختصر کی شرح ہے،...احادیث نبویہ دو باتوں میں سے ایک کا احتمال رکھتی ہیں، یا تو یہ کہ وہ قرآن کا بیان ہیں، یعنی یہ کہ اس کی بیان کردہ صورت دو احتمالوں میں سے ایک ہوگی لہذا جب مکلّف نے حدیث پر عمل کیا تو قرآن مجید پر بھی عمل ہو گیا اور سنت رسول پر بھی اور اگر اس نے حدیث کے بیان پر عمل نہ کیا تو نہ قرآن پر عمل ہوگا اور نہ حدیث پر" ۳۴

امام شافعی اپنی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الام میں لکھتے ہیں:

اور آنحضرت ﷺ کی سنت، اللہ تعالی کے منشا و ارادے کی وضاحت کرتی ہے اور یہ سنہ قرآن کے عام کو خاص اور خاص کو عام کرتی ہے" ۳۵

عصر حاضر کے ایک نامور مصری محقق محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں:

"احادیث سے قرآن مجید کی تخصیص کا یہ مفہوم نہیں کہ اس کے بعض افراد کو اس کے مفہوم سے نکال دیا جاتا ہے، بلکہ تخصیص کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے ذریعے شارع کا ارادہ اور منشا ظاہر کیا جاتا ہے کہ فلاں حکم اس میں سرے سے ہی شامل نہ تھا۔ ۳۶

عصر حاضر کے انہی محقق نے "مقام السنہ من الکتاب" (قرآن مجید کے مقابلے میں سنہ کا مقام) کے عنوان سے سنہ کے لیے حسب ذیل حقوق کا اثبات کیا ہے:

الف۔ وہ قرآن مجید کے مبہم کو بیان کرتی ہے، اس کے مجمل کی تفصیل کرتی اور اس کے عام کو خاص اور خاص کو عام کرتی ہے۔

ب۔ قرآن مجید کے بیان کردہ اصولوں پر فرائض و احکام کا اضافہ کرتی ہے، بایں طور کہ ان فرائض و احکام سے قرآن مجید کے بیان کردہ اصولوں کی تکمیل ہوتی ہے

ج۔ ایسے احکام بیان کرتی ہے، جن کا ذکر قرآن مجید میں سرے سے موجود ہی نہیں مثلاً گدھوں کے گوشت کی حرمت، درندوں کی تحریم اور دیات وغیرہ کا ذکر ۳۶

(۴) پھر یہ محض ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے کہ سنت کے یہ مخالفین، حدیث کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے تو قرآن مجید کے احکام کی تخصیص و تعمیم کا حق تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ بعض مقامات پر تخصیص و تعمیم کا یہ حق عام مفسرین کو بھی حاصل ہے، بقول علامہ الفراقی مخصصات (کسی حکم کو خاص کرنے والی اشیاء) پندرہ اقسام پر مشتمل ہیں، انمیں سے بعض اقسام محض عقلی ہیں، ان کے افہام و تفہیم کے لیے کسی نص کی بھی ضرورت نہیں، مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے "ان الناس قد جمعوالکم "لوگ تمہارے لیے اکھٹے ہو گئے ہیں) وارد ہوا ہے، اور اس آیت میں "الناس" کلمہ حصر و جامعیت ہے، جو سب لوگوں کے لیے مستعمل ہے، مگر اس جگہ اس سے مراد صرف "کفار مکہ" ہیں۔

اس طرح بے شمار مثالیں قرآن مجید سے مل سکتی ہیں۔

(۵) اس سلسلے میں مخالفین نے بطور اصول آنحضرت ﷺ کے لیے جو قرآن مجید کی "تبیین" کا مشروط حق تسلیم کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبر اس کے احکام میں کسی ترمیم و اضافہ کا مجاز نہیں ہے" تو ان کے اس دعوے کی عملی تعبیر دین کی نصف عمارت منہدم کرنے کے موجب ہو سکتی ہے۔ ان کو علم ہو گا کہ قرآن مجید میں نماز پڑھنے کا حکم لفظ "صلوٰہ کے ساتھ دیا گیا ہے، مگر کسی جگہ قرآن مجید میں نماز کا طریقہ اس کے فرائض، اور اس کے اوقات خمسہ کی تشریح نہیں ہے، کیا احادیث نبویہ سے اس قسم کا استفادہ بھی قرآن پر "اضافہ اور زیادت" نہیں ہے؟ ان حالات میں اس اہم ترین مسائل کو ثابت اور مدلل صورت میں سمجھنے کی کیا صورت ہو گی؟

اور الصلوٰہ کے لغت میں سترہ کے قریب معانی کرتے ہیں، مثلاً:

۱- دعا کرنا ۲- نماز پڑھنا
۳- برکت دینا ۴- اچھی تعریف کرنا
۵- گھڑ دوڑ میں گھوڑے کا دوسرے نمبر پر ہونا ۶- تسبیح کرنا
۷- رحمت خداوندی ۸- پیٹھ کے درمیان مارنا- وغیرہ

اب اگر سنت نبویہ کو الگ کر دیا جائے، اور اس کو سند تصور نہ کیا جائے، (العیاذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باللہ) تو ہمارے پاس ایسا کونسا ذریعہ ہے، جس کی مدد سے ہم یہ ثابت کرسکتے ہیں، کہ ان متعدد معانی میں سے لفظ صلوٰہ سے مراد وہ طریقہ ہے، جس میں قیام، رکوع، سجدہ، اور قعدہ وغیرہ کے ارکان اور طہارت وقبلہ رو ہونے اور وقت نماز ہونے وغیرہ کی شرائط پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ منکرین حدیث کے ہاں نماز یا صلوٰہ کے نام پر، عجیب وغریب کی حرکتیں اور بوالعجبیاں دیکھنے میں آتی ہیں، یہی حال "زکوٰہ" صوم (روزے)، اور حج وغیرہ کا ہے، کہ اگر ہم احادیث نبویہ کو قرآن مجید کی توضیح وتشریح کا حق نہ دیں، تو ہمارے پاس ایسا کونسا ذریعہ ہے، جس کی مدد سے ہم ان تمام ارکان اسلام کو اسی صورت اور اسی شکل میں ثابت کرسکتے ہیں، جس شکل میں یہ ارکان قرن اول سے عملی اور علمی روایت کی شکل میں ہم تک پہنچے ہیں۔

اس توضیح سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ان مغرب زدہ لوگوں کا اصل "ہدف "حدیث یا قرآن نہیں ہے، بلکہ ان کا اصل ہدف مسلمانوں کا عمل اور اس کا کردار ہے، کہ یہ لوگ بحیثیت مجموعی مسلمان کو بدلنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے اپنے خیالات پر انکار حدیث کا غلاف (Cover) چڑھایا ہوا ہے، اسی لیے اہل نظر بخوبی جانتے ہیں۔ کہ یہ لوگ درحقیقت لارڈ میکالے کے اس تعلیمی نظریئے کی پیداوار ہیں، جو اس نے ۱۸۳۴ء میں تعلیمی کمیشن کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے پیش کیا تھا اور جس میں اس نے یہ کہا تھا کہ "ہم لوگ ایسے ہندوستانی لوگ پیدا کرنا چاہتے ہیں، جو نسب کے اعتبار سے ہندوستانی، مگر اپنے خیالات اور افکار کے اعتبار سے مغربی ہوں اور اس میں شبہ نہیں کہ انگریز نے اپنے اس خواب کو پورا کرنے کے لیے انہی لوگوں کو اپنا واسطہ اور ذریعہ بنایا تھا۔

منکرین حدیث کا واحد استدلال سورۂ یونس کی ایک آیت مبارکہ سے ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت قرآن مجید میں پیغمبر کی طرف سے ترمیم واضافہ "کی تردید کے لیے سرے سے ہی استدلال کا کوئی پہلو نہیں رکھتی، وجہ یہ ہے کہ اس میں موجود قرآن کی جگہ کسی دوسرے قرآن کی تبدیلی کا ذکر اور اس کی تردید ہے، پوری آیت کو اگر سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و اذا تتلیٰ علیهم آیاتنا بیّنٰت قال الذین لایرجون لقاء نا ائت بقرآن غیر هذا او بدّله قل ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحٰی الی۳۸

"اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی امید نہیں وہ کہتے ہیں کہ یا تو اس کے سوا کوئی اور قرآن بنا لاؤ یا اس کو بدل دو۔ کہہ دو کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو اسی حکم کا تابع ہوں، جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے،

اور قرآن حکیم کا ہر ادنیٰ طالب علم یہ جانتا ہے کہ پورے قرآن مجید کو بدلنے اور اس کے کسی عام کو خاص یا خاص کو عام کرنے میں بڑا فرق ہے، امام غزالی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

کفار مکہ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی اور قرآن بنا لاؤ، تو آنحضرت ﷺ کو یہ جواب سکھایا گیا کہ میں اپنی طرف سے تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، انہوں نے اس مقام پر، کسی ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم طلب نہیں کیا تھا، پس اس آیت کا زیر بحث صورت سے کوئی تعلق نہیں"۳۹

یہاں بطور مثال رجم کا ذکر کیا جاسکتا ہے جسے منکرین حدیث اور معتزلہ جدید نے قرآن میں تبدیلی کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ العیاذ باللہ پیغمبر کو اس کا کوئی حق نہ تھا حالانکہ قرآن مجید میں بلاشبہ بدکار مرد و عورت کی سزا ۱۰۰ درے بیان ہوئی ہے، مگر آنحضرت ﷺ نے اس آیت میں مذکورہ **الزانی ولزانیه** کی "تخصیص" فرماتے ہوئے صرف غیر شادی شدہ مرد و زن کو اس کا مصداق ٹھیرایا ہے۔ رہ گئے شادی شدہ مرد و زن، تو ان کے لیے یہ آیت خاموش ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے رجم کی سزا تجویز فرمائی اس طرح، آنحضرت ﷺ کا یہ "بیان" نہ تو قرآن سے متصادم ہے اور نہ قرآن پر کوئی اضافہ ہے بنا بریں شادی شدہ مرد و زن کے لیے سزائے رجم کا اثبات حسب ذیل قوی دلائل سے ہوتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الف- احادیث متواترہ، جن کو کم و بیش ۳۵ صحابہ نے روایت کیا۔
ب۔ اجماع امت اجماع صحابہ، اجماع تابعین و تبع تابعین اور اجماع اہل مسالک خمسہ۔
ان میں سے ہر دلیل اپنی جگہ قوی دلیل ہے، اس حکم پر آنحضرت ﷺ نے عمل کیا۔ حضور ﷺ کے خلفاء نے عمل کیا اور صدہا سالوں تک مسلمانوں نے اس پر عمل کیا، آج تک کسی بھی صاحب اجتہاد و بصیرت شخص نے اس کا انکار نہیں کیا، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رجم کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ امر کہ زنا بعد احصان کی سزا کیا ہے۔ قرآن مجید نے نہیں بتایا، بلکہ اس کا علم ہمیں حدیث سے ہوتا ہے، بکثرت معتبر روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف قولاً اس کی سزا رجم (سنگساری) بیان فرمائی ہے، بلکہ عملاً آپ نے متعدد مقدمات میں یہی سزا نافذ کی ہے، پھر آپ کے بعد چاروں خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اسی کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا۔ صحابہ علیہ السلام کرام اور تابعین میں یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا، کسی ایک شخص کا بھی کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ قرن اول میں کسی کو اس کے ایک ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک تھا، امت کی پوری تاریخ میں بجز خوارج اور بعض معتزلہ کے کسی نے بھی اس سے انکار نہیں کیا۔ ۴۰

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:
(۱) قرآن مجید کی شرح و تفسیر اور اس کے احکام کی وضاحت و تشریح کے لیے احادیث نبویہ سے مدد لینا قرآن مجید کے داخلی مطالعے، احادیث نبویہ اور امت کے اجماع سے ثابت ہے
(۲) مستند اور مشہور درجے کی سنت نبویہ سے کسی آیت کا مکمل نسخ اگرچہ عقلی اور شرعی طور پر درست ہے، لیکن عملی طور پر قرآن مجید میں ثابت نہیں ہے۔
(۳) احکام میں معمولی قسم کی تبدیلی، مثلاً عام کو خاص اور خاص کو عام، مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق قرار دینا بھی، نسخ کی ہی ایک صورت ہے یہ صورت البتہ متعدد احکام میں ثابت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، چنانچہ محصن زانی کے لیے سزائے رجم کا اثبات اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

(۴) مستند احادیث نبویہ سے ثابت شدہ احکام بھی ویسے ہی قابل اتباع ہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید سے ثابت شدہ احکام۔ البتہ عقیدے میں دونوں کے درمیان معمولی سا فرق ہے وہ یہ کہ اول الذکر حکم فرض اور مؤخر الذکر واجب ہوتا ہے، اور فرض کا منکر کافر، مگر واجب کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱- الدارمی: السنن (کتاب السنہ)

۲- لسان العرب بذیل مادہ

۳- مسلم، کتاب العلم (باب من سنّ سنہ...)

۴- النساء (۲۶:۴)

۵- ابن اثیر (آل عمران) ۱۳۷

۶- النہایہ (بذیل مادہ)

۷- مسلم، کتاب الامارہ- باب ثبوت الجنہ للشہید۔

۸- الموافقات، بحث السنہ

۹- دیکھیے: بمدد اشاریہ محمد فواد عبدالباقی معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم بذیل مادہ

۱۰- النساء-۸۰

۱۱- آل عمران-۳۱

۱۲- ۳۳ (الاحزاب) ۳۶

۱۳- دیکھیے: بمدد محمد ارد عبدالباقی معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم بذیل مادہ

۱۴- مثال کے طور پر البقرہ-۱۵۱

۱۵- الرسالہ مطبوعہ، قاہرہ، ص ۱۲۸

۱۶- النحل-۴۴

۱۷- القیامہ ۱۹

۱۸- ابن عبدالبر: جامع بیان العلم، ۱۹۱:۲

۱۹- جامع بیان العلم، ۱۹۱:۲

۲۰- ایضاً

۲۱- کتاب الا، ۲۵۲:۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۲- تفسیر مظہری، ۲/۱:۶۴

۲۳- سنن دارمی

۲۴- پوری حدیث اس طرح ہے:

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیه لوارث .... قال الترمذی حسن صحیح

بیشک اللہ تعالی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا کردیا ہے، لہذا کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت جائز نہیں۔

۲۵- اس سے مراد سورہ البقرہ کی آیت ۱۸۰ ہے

۲۶- مسلم الثبوت، ۲:۵۴۰۱۰۰ یعنی یہ نسخ بصورت زیادتی حکم، ممکن ہے،

۲۷- ۲۸البقرہ:۱۰۶

۲۸- النساء(۴:۱۱۵)

۲۹- ایضاً(۸۰)

۳۰- ۵۳النجم ۲-۴-

۳۱- تدبر قرآن، ۵۳/۸

۳۲- الغزالی: المستصفیٰ، ۲:۱۲۵

۳۳- الموافقات، ۴۱۴

۳۴- ایضاً ۴/۵-۸

۳۵- الشافعی: کتاب الام، ۱:۷۹

۳۶- اصول الفقہ، ص ۱۶۵

۳۷- ایضاً

۳۸- یونس، (۱۱:۱۵)

۳۹- المستصفی، ۱/۱۲۵

۴۰- تفہیم القرآن، ۳/۳۲۷

© rasailojaraid.com